عقائد شناسی:

علامہ محمد حسین طباطبائی

نبیؐ کی معرفت

مقصد کی جانب عام ہدایت

گندم کا ایک دانہ اگر مناسب حالات میں زمین میں بویا جائے تو وہ نشو ونما پانے لگتا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک نئی شکل اور ایک نئی حالت اختیار کرتا رہتا ہے۔ وہ اس راہ پر ایک نظم اور ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے ایک مکمل پودا بن جاتا ہے پھر اس میں گندم کی بالیاں نکل آتی ہیں اور اگر ان بالیوں میں سے ایک دانہ زمین پر گر جائے تو وہ وہی سفر دوبارہ شروع کر لیتا ہے اور اسے انجام تک پہنچاتا ہے اور اگر کسی پھل کی گٹھلی زمین میں دبا دی جائے تو وقت کی رفتار کے ساتھ اس میں تبدیلی آنے لگتی ہے اور چھلکے کو پھاڑ کر ایک سبز نوک باہر نکل آتی ہے تغیر وتبدل کا ایک مخصوص اور منظم راستہ طے کرتے ہوئے یہی سبز نوک بالآخر ایک سرسبز اور پھلدار درخت بن جاتی ہے۔

اگر کسی حیوان کا نطفہ ہوتو وہ انڈے یا ماں کے رحم میں ترقی کرنے لگتا ہے اور اس حیوان سے مخصوص ترقی کی راہ پر چلتے ہوئے حیوانوں کی اس خاص جنس کا ایک مکمل فرد بن جاتا ہے۔

ترقی کی یہ مخصوص اور منظم راہ دنیا میں موجود مخلوق کی ہر جنس میں پائی جاتی ہے جو اس جنس کی سرشت میں ہوتی ہے۔ گندم کے بیج سے اُگنے والا سبز پودا کبھی بھی چنے کا پھل نہیں دیتا اور کبھی بھی بھیڑ کا بچہ بکری یا ہاتھی کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ ایک مادہ حیوان جو اپنے نر کی بدولت حاملہ ہوئی ہو کبھی بھی گندم کی بالیاں اور کیکر کا درخت نہیں جنتی۔ اگر ایک نومولود کے

اعضا یا فطری افعال میں کوئی خامی رہ جائے یا بھیڑ کا بچہ ایک آنکھ کے بغیر پیدا ہو یا ایک گندم کے پودے پر بالیاں نہ لگیں تو ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ اسکی وجہ کوئی وبا یا کوئی اور غیر فطری چیز ہے۔ چیزوں کی پیدائش اور نشوونما میں مسلسل نظم وضبط اور ہر جنس کے افراد کا ایک مخصوص قاعدے کے مطابق پیدا ہونا اور ترقی کرنا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اس واضح نظریہ سے دو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

ا۔ مخلوق کی ہر نوع پیدائش کی ابتداء سے ہستی کے خاتمے تک جو مراحل طے کرتی ہے ان میں ایک تسلسل اور ربط پایا جاتا ہے۔ گویا وہ نوع اپنے ارتقاء کے ہر مرحلے پر پیچھے سے دھکیلی اور آگے کی جانب کھینچی جاتی ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا تسلسل اور ربط کی بنا پر ہر نوع کی پیدائش سے ہی اس کا آخری مرحلہ اس کا ہدف اور اس کی ہستی کی توجہ کا مرکز ہے مثلاً اخروٹ کا ایک دانہ ایک سبز نوک کی شکل میں زمین سے باہر نکلتا ہے۔ اس کی توجہ اسی لمحے سے ایک مکمل اخروٹ کے درخت پر مرکوز رہتی ہے اور جونہی ایک نطفہ ایک انڈے یا رحم میں ٹھہرتا ہے وہ ایک مکمل حیوان کی حالت کی جانب اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔

قرآن مجید جو ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور برقرار رکھنے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حرکت اور کشش کو، جو ترقی کی راہ میں چلنے والی ہر نوع میں موجود ہوتی ہے، الٰہی ہدایت سے ماخوذ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

"ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو سرشت دی اور پھر اسے سیدھا راستہ دکھایا۔"[1] (سورہ طہ) آیت ۵۰)

پھر فرماتا ہے۔

جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، درست کیا، اس کا اندازہ مقرر کیا اور پھر راہ بتائی۔"

(سورہ اعلیٰ۔ آیت ۲۔۳)

اور ان اقوال کا نتیجہ ان الفاظ میں بتاتا ہے۔

"ہر ایک کے لئے ایک ہدف ہے جس کی طرف وہ بڑھتا ہے۔" ۷

(سورہ بقرہ۔آیت ۱۴۸)

"ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ہم نے انہیں حق اور اعلیٰ مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔" ۸

(سورہ دخان۔آیت ۳۸۔۳۹)

خصوصی ہدایت:

ظاہر ہے کہ نوع انسان بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے اور جو ہدایت مخلوق کی تمام انواع پر حکومت کرتی ہے۔جس طرح ہر نوع اپنی مخصوص فطرت کے مطابق کمال کا راستہ طے کرتی ہے اور اس کے لیے ہدایت حاصل کرتی ہے اسی طرح انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس ہدایت کی مدد سے اپنے حقیقی کمال کی جانب گامزن ہو۔

اگرچہ انسان کی کئی خصوصیتیں حیوانات اور نباتات کی انواع کی خصوصیتوں کے ساتھ مشترک ہیں لیکن وہ ایک ایسی خصوصیت بھی رکھتا ہے جو اسے دوسروں سے ممیز کرتی ہے اور وہ خصوصیت "عقل" ہے۔عقل کی مدد سے ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ غور وفکر کرے اور ہر ممکن وسیلے کو اپنی بہتری کے لیے استعمال کرے۔آسمان کی لامحدود فضا میں اڑتا پھرے،سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگائے۔سطح زمین کی مختلف انوع جمادات،نباتات اور حیوانات پر قابو پاکر ان سے کام لے حتیٰ کہ اپنے ہم نوع اشخاص سے بھی جہاں تک ممکن ہو فائدہ اٹھائے۔

اپنی بنیادی سرشت کی بناپر انسان حقیقی مسرت وشادمانی،مکمل آزادی حاصل کرنے میں محسوس کرتا ہے۔تاہم وہ ایک معاشرتی وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس کی بے شمار ضروریات ہیں جنہیں وہ اکیلا پوری نہیں کرسکتا اور چونکہ اسے اپنے ہم نوع اشخاص کے ساتھ

مل کر کام کرنا ہوتا ہے تو سماجی تعلقات استوار کرنے پڑتے ہیں جو اسی کی طرح اپنا فائدہ اور آزادی چاہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی حد تک اپنی آزادی سے دستبردار ہو جائے۔ چونکہ وہ دوسروں سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی ان کے لیے مفید ثابت ہو۔ جس قدر وہ دوسروں کی مشقت سے بہرہ مند ہوتا ہے اسی قدر ان کے لیے بھی تکلیف اٹھائے یا مختصراً اس کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قبول کرے جس کی بنیاد باہمی تعاون پر ہو۔

یہ حقیقت نومولود اور دوسرے بچوں کے معاملے میں بالکل واضح ہے۔ نومولود بچے جب ابتداء میں کوئی چیز چاہتے ہیں تو مچلنے اور رونے دھونے کے علاوہ کوئی وسیلہ استعمال نہیں کرتے اور کوئی پابندی قبول نہیں کرتے لیکن رفتہ رفتہ جب انکا شعور پختہ ہو جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ زندگی کا کاروبار فقط سرکشی اور دھونس سے نہیں چل سکتا لہذا وہ آہستہ آہستہ ایک فرد معاشرہ کی حالت کے قریب ہو جاتے ہیں۔ بالآخر وہ عمر کے اس مرحلے پر پہنچتے ہیں جب وہ افراد معاشرہ بن جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی ذہنی قوت کامل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ماحول کے معاشرتی قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

جب انسان معاشرے کے افراد کے مابین باہمی تعاون کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ معاشرے پر حاکم اس قانون کی ضرورت کا اعتراف بھی کرتا ہے جو ہر فرد کی ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے اور ہر خلاف ورزی کرنے والے کے لئے سزا مقرر کرتا ہے اور اپنے معاشرتی حیثیت کے مطابق خوش بختی سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ یہ وہی عالمگیر قانون ہے جس کی تلاش انسان کو اس کی پیدائش کے دن سے اب تک رہی ہے اور جس کا شوق اس کی اوّلین خواہش رہی ہے۔ اگر کسی ایسی چیز کا حصول ناممکن ہوتا اور یہ انسانیت کے مقدر کی لوح پر نہ لکھی ہوتی تو انسان اس کی ہمیشہ خواہش نہ کرتا۔ [۳]

اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

ہے:

''ہم نے ان کے درمیان روزی دنیاوی زندگی میں عی بانٹ دی ہے اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کیے ہیں تا کہ ان میں سے کچھ دوسروں سے خدمت لیں۔ ؎ (سورہ زخرف۔ آیت ۳۲)

انسان کی خودغرضی اور اسکی چیزوں کو اپنانے کی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''بے شک انسان بڑا لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف چھوبھی گئی تو گھبرا گیا اور جب اسے ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا۔'' ؎ (سورہ معارج آیات ۱۹ تا ۲۱)

عقل اور قانون

اگر ہم مناسب غور وفکر سے کام لیں تو پتہ چلے گا کہ انسان ہمیشہ ایسے قانون کا آرزومند رہا ہے جو اسے دنیا میں خوش بختی سے ہمکنار کرے۔ اپنی خداداد فطرت کے ذریعے لوگوں نے انفرادی طور پر اور گروہوں میں ایسے قانون کی ضرورت تسلیم کی ہے جو انہیں کسی امتیاز اور استثناء کے بغیر خوشی مہیا کرے اور بنی نوع انسان میں کمال کا ایک عام معیار قائم کرے۔ ظاہر ہے کہ اب تک انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں اس قسم کا کوئی قانون وجود میں نہیں آیا جسے انسانی عقل نے ایجاد کیا ہو۔ اگر قانون خلقت نے اس قسم کا انسانی قانون وجود میں لانے کی ذمہ داری انسانی عقل کے کندھوں پر ڈال دی ہوتی تو طول تاریخ میں ایسا قانون مرتب ہوگیا ہوتا۔ اس صورت میں ہر وہ شخص جو قوت عقل رکھتا ہے اس انسانی قانون کو مفصل طور پر اسی طرح سمجھ لیتا جس طرح ہر شخص معاشرہ میں اس قسم کے قوانین کی ضرورت کو سمجھتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اگر یہ انسانی عقل کی ذمہ داری ہوتی کہ ایک ایسا مکمل مشترک قانون وجود میں لائے جو لازمی طور پر انسانی معاشرے کو خوش بختی سے ہمکنار کرے اور خود دنیا کی پیدائش کے دوران انسان کی رہنمائی اس مکمل قانون کی جانب ہو تو پھر ہر انسان اس

قانون کو اپنی عقل کے ذریعے اسی طرح سمجھ لیتا جس طرح وہ اپنی زندگی کے شب روز میں یہ جانتا ہے کہ کونسی چیز اس کے لئے مفید اور کونسی مضر ہے۔ تاہم اس وقت تک اس قسم کے قانون کی موجودگی کے کوئی آثار نہیں، جو قوانین خود بخود وجود میں آگئے ہیں یا جنہیں ایک حاکم یا کچھ افراد یا قوموں نے ترتیب دیا ہے اور مختلف معاشروں میں رائج ہوگئے ہیں وہ بعض لوگوں کے نزدیک مسلم اور بعض کے نزدیک غیر مسلم ہیں۔ بعض لوگوں کو ان کا علم ہے اور بعض دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تمام لوگ جو بنیادی ساخت کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں، جن کو اللہ نے عقل سے نوازا ہے۔ مشترکہ طور پر کسی ایسے قانون کی تفاصیل کا مشترکہ علم رکھتے ہوں جو عالم انسانیت کو خوش بختی سے ہمکنار کردے۔

پر اسرار عقل اور شعور جسے وحی کہا جاتا ہے،

مذکورہ عبارت سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ جو قوانین انسانی معاشرے کی خوش بختی کی ضمانت دے سکتے ہیں عقل انکا ادراک نہیں کرسکتی اور چونکہ عام ہدایت کے نظریے کے تحت بنی نوع انسان میں لازمی طور پر ایک اور قوت ادراک ہونی چاہئے جو انسان کو زندگی کی حقیقی ذمہ داریاں سمجھا سکے اور یہ علم ہر ایک کو مہیا کرسکے۔ یہ شعور اور قوت ادراک جو عقل اور حس سے جداگانہ چیز ہے ''شعور وحی'' کہلاتی ہے۔

بلاشبہ بنی نوع انسان میں اس قسم کی قوت کی موجودگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ لازمی طور پر تمام افراد میں ظاہر ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ قوت تولید تمام انسانوں میں رکھی گئی ہے لیکن ازدواجی زندگی کی مسرت کا احساس اور اس مسرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے تیار ہونا انہیں لوگوں کے لئے ہے جو سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ اسی طرح جو لوگ ''شعور وحی'' نہیں رکھتے ان کے لئے یہ ادراک کی معماتی اور نامعلوم شکل ہے ایسے ہی جیسے کہ نابالغ کے لئے جنسی ملاپ کی مسرت ایک پر اسرار اور نامعلوم کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں شریعت وحی اور انسانی عقل کی اس تک رسائی نہ ہونے کے

بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

"اے رسولؐ ! ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ اور عیسیٰ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی اور ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے پہلے تم سے بیان کردیا ہے اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے بہت سی باتیں بھی کیں۔ اور (ہم نے نیک لوگوں کو بہشت کی خوشخبری دینے والے اور بدوں کو عذاب سے ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔" ؎ (سورہ نساء۔ آیات۔ ۱۶۳ تا ۱۶۵)

پیغمبر اور عصمت پیغمبر

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی آمد سے وحی کے مذکورہ بالا نظریے کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ کے پیغمبر وہ عظیم لوگ تھے جنہوں نے وحی، اور نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے دعوے کے قطعی ثبوت پیش کیے۔ انہوں نے لوگوں میں اللہ کے دین کے بنیادی اصولوں کی تبلیغ کی (وہی قانون جو خوش بختی کی ضمانت فراہم کرتا ہے) اور اسے لوگوں کی دسترس میں پہنچا دیا۔

چونکہ تاریخ کے عام ادوار میں نبوت اور وحی کے حامل افراد کی تعداد محدود رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کی تکمیل اور دین کی تبلیغ کی ذمہ داری اپنے پیغمبروں کے سپرد کی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ سے وحی حاصل کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اسکے لوگوں تک پہنچنے کو ممکن بنانے کے لئے پیغمبر ہر قسم کی خطا سے پاک ہو۔ وہ ہرگز گناہ نہ کرے۔ وحی کا حصول، اس کی حفاظت اور تبلیغ ہدایت تکوینی کے تین رکن ہیں اور تکوین میں خطا کے کوئی معنی نہیں۔

علاوہ ازیں اپنی تبلیغ ودعوت کے بارے میں غلطی اورخلاف ورزی ایک پیغمبر کے لئے محال ہے کیونکہ یہ فعل بجائے خود اصل دعوی کے خلاف ہے۔ اگر پیغمبر ایسا کرے تو لوگوں کا دعوت کی درستی سے اعتماد اٹھ جائے گا اور نتیجہ کے طور پر دعوت کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں پیغمبروں کی عصمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:

"ہم نے انہیں منتخب کیا اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی۔"٨(سورہ انعام۔آیت ٨٨)

اور پھر فرماتا ہے۔

"وہی غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا بجز ہر اس پیغمبر کے جسے اس نے چن لیا ہو اور پھر وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرمادیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے احکام واقعی پہنچادے۔"٩(سورہ جن۔آیات۔ ٢٦ تا ٢٨)

پیغمبر اور آسمانی دین

جو کچھ اللہ کے پیغمبروں نے وحی کے ذریعے حاصل کیا اور اسے اللہ کے پیغام کے طور پر لوگوں تک پہنچایا وہ دین الٰہی تھا یعنی وہ زندگی کے ان طورطریقوں اور انسانی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا جو انسان کی حقیقی خوش بختی کے ضامن ہیں۔

آسمانی دین بطور کلی "اعتقاد" اور "عمل" سے مرکب ہوتا ہے۔ اس کا اعتقادی حصہ ایسے بنیادی اصولوں اور اشیاء کی حقیقت کے متعلق نظریات پر مشتمل ہوتا ہے جن پر انسان کو اپنی زندگی کی بنیاد رکھنی چاہئے۔ یہ اصول تین ہیں یعنی توحید نبوت اور قیامت۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں خلل پیدا ہوجائے تو دین کی پیروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آسمانی مذہب کا ایک حصہ اخلاقی اور عملی احکامات پر مشتمل ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی اللہ اور انسانی معاشرے کے بارے میں کیا ذمہ داریاں ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ آسمانی مذاہب میں انسان پر جو فروعی ذمہ داریاں عاید کی گئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ یعنی اخلاق اور اعمال اور ان میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

اخلاق اور اعمال کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے مثلاً اخلاق میں صفت ایمان، اخلاص، تسلیم ورضا اور خشوع اور اعمال میں نماز روزہ اور قربانی۔ ان اعمال کو بالخصوص عبادات کا نام دیا گیا ہے اور خضوع وبندگی انسان کو بارگاہ خداوندی میں مقبول بناتے ہیں۔

اخلاق اور نیک اعمال کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسانی معاشرے سے ہے۔ مثلاً انسان دوستی، خیر خواہی، عدالت اور سخاوت کی صفات اور سماجی ذمہ داریاں اور لین دین وغیرہ۔ اس قسم کے اعمال کو بالخصوص معاملات کا نام دیا جاتا ہے۔

ایک اور توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان بتدریج کمال کی طرف گامزن ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ کامل تر ہورہا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایسی ہی ترقی، آسمانی شریعتوں میں بھی ظاہر ہو۔ (قرآن مجید اس تدریجی ترقی کی تائید کرتا ہے اور یہ ترقی عقل کی بدولت سمجھ میں آتی ہے۔) اس کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر بعد میں آنے والی شریعت سابقہ شریعت سے کامل تر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"اے رسولؐ ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی جو اس سے پہلے موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے۔ یعنی اس پر تسلط اور برتری رکھتی ہے۔" (سورہ مائدہ۔ آیت ۴۸)

بلاشبہ جیسا کہ سائنسی نظریات تصدیق کرتے ہیں اور قرآن مجید بھی بالصراحت بیان کرتا ہے، اس دنیا میں معاشرے کی زندگی ابدی نہیں ہے اور بنی نوع انسان کی ترقی بھی لامحدود نہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایک مرحلے پر اعتقاد اور عمل کے سلسلے میں انسان کی تمام تر ذمہ داریاں ختم ہوجائیں اور اسی بناپر نبوت اور شریعت بھی جب اعتقاد کے کمال اور عملی احکام کی وسعت کے لحاظ سے آخری مرحلے پر پہنچ جائیں گی تو ختم ہوجائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ

قرآن مجید یہ واضح کرنے کے لئے کہ اسلام (حضرت محمدؐ کا لایا ہوا) آخری اور تمام الہامی ادیان سے مکمل ترین دین ہے اپنا تعارف ایک ایسی مقدس کتاب کے طور پر کراتا ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتی اور رسول اکرمؐ کو خاتم الانبیاء کہتا ہے اور دین اسلام کو تمام مذہبی فرائض پر مشتمل گردانتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

"یہ قرآن یقیناً ایک عالی قدر کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اسکے آگے پھٹک سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے ۔۔۔" سورہ حم سجدہ۔آیات ۴۱۔۴۲)

پھر فرماتا ہے:

"اے لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی ختم کرنے والے ہیں ۔۔۔" (سورہ احزاب۔آیت ۴۰)

مزید فرماتا ہے:

"ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے ۔۔۔" (سورہ نحل۔آیت ۸۹)

پیغمبر اور "وحی ونبوت" کا ثبوت

دور حاضر کے بہت سے دانشمندوں نے وحی اور نبوت کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ اور نبوت اور ان سے متعلقہ مسائل کی توجیہ نفسیاتی اور معاشرتی اصولوں کے مطابق کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کے پیغمبر پاک طینت، بلند ہمت اور انسان دوست اشخاص تھے جنہوں نے انسان کی مادی اور روحانی ترقی اور فاسد معاشروں کی اصلاح کے لئے قوانین اور ضوابط مرتب کیے اور لوگوں کو انہیں قبول کرنے کی دعوت دی۔ چونکہ اس زمانے کے لوگ عقل کی منطق قبول نہیں کرتے تھے لہٰذا ان کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے پیغمبروں نے اپنے آپ کو اور اپنے نظریات کو عالم بالاتر سے منسوب کیا اور اپنی پاک روح کو "روح القدس" اور اپنے خیالات کو "وحی" اور نبوت اور اپنی تعلیمات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کو

"شریعت آسمانی" اور ان پر مشتمل بیانات کو آسمانی کتاب" کے نام دیے۔

جو شخص آسمانی کتابوں اور بالخصوص قرآن مجید اور پیغمبروں کی شریعت کا بغور اور بے لاگ مطالعہ کرے اسے اس بارے میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ نظریہ درست نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیاسی لوگ نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے راستگو اور پاکباز بندے تھے۔ انہوں نے جس چیز کا ادراک کیا وہ بے کم وکاست بیان کردی اور جو کچھ کہا اس کے مطابق عمل کیا۔ انہوں نے جس چیز کا دعویٰ کیا وہ ایک پر اسرار شعور تھا جو انہیں غیبی مدد کے ذریعے عنایت کیا گیا۔ اس ذریعے سے انہوں نے لوگوں کی اعتقادی اور عملی ذمہ داریوں کا علم بارگاہ الٰہی سے حاصل کیا اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کی۔

پس یہ امر واضح ہے کہ نبوت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حجت اور دلیل ضروری ہے اور فقط وہ شریعت جو پیغمبر لایا ہے پیغمبری کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں جو شخص پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنی شریعت کے درست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اور دعویٰ بھی کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی اور نبوت کی بدولت اس کا عالم بالا سے رابطہ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کو اپنی شریعت کی دعوت دینے پر مامور کیا ہے اور یہ دعویٰ بجائے خود دلیل کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (جیسا کہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے) عام لوگ جو سادہ ذہن رکھتے تھے اللہ کے پیغمبروں سے ان کے نبوت کے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر ہمیشہ معجزے طلب کرتے تھے۔

اس سادہ اور فصیح منطق کا مطلب یہ ہے کہ جس وحی اور نبوت کا اللہ کا پیغمبر دعویٰ کرتا ہے وہ دوسرے لوگوں میں، جو اسی کی مانند انسان ہیں، نہیں پائی جاتی لہٰذا لازمی طور پر یہ ایک غیبی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ معجزاتی طور پر اپنے پیغمبروں کو عنایت کرتا ہے اور اسکے ذریعے وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں لہٰذا اس صورت میں پیغمبر کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ وہ ایک اور معجزہ دکھائے تاکہ لوگ اس معجزے کے وسیلے

سے پیغمبر (مدعی نبوت) کے نبوت کے دعوے پر یقین کرلیں۔قرآن مجید نے اس منطق کی تائید کی ہے اور کئی ایک پیغمبر نقل کیے ہیں جس نے اپنی بعثت کی ابتداء میں لوگوں کی درخواست پر معجزے دکھائے۔

بلاشبہ دور حاضر کے بہت سے محققین اور سائنسدانوں نے معجزے کے وجود سے انکار کیا ہے لیکن ان کی آراء قابل توجہ دلائل پر مبنی نہیں ہیں یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ مختلف حوادث کے لئے جو اسباب اب تک تجربے اور تحقیق سے معلوم ہوئے ہیں وہ دائمی ہیں اور اسباب وعلل کے بغیر کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا۔ جو معجزے اللہ کے پیغمبروں سے منسوب کیے گئے ہیں وہ نہ تو محال ہیں اور نہ ہی خلاف عقل ہیں۔(مثلاً جیسے یہ دعویٰ کیا جائے کہ تین کا عدد جفت ہے) بلکہ غیر معمولی (خرق عادت) ہیں اور ایک ایسی چیز ہے جو اہل ریاضی میں اکثر دیکھنے اور سننے میں آئی ہے۔

اللہ کے پیغمبروں کی تعداد

تاریخ کی روایات کے مطابق بہت سے پیغمبر آئے ہیں اور قرآن مجید بھی ان کی تعداد کی کثرت کی تائید کرتا ہے۔ اس نے ان میں سے کئی ایک کا ذکر ان کے نام اور نشانیاں بیان کرکے کیا ہے لیکن ان کی صحیح تعداد نہیں بتائی۔قطعی احادیث سے بھی ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔ بجز اس مشہور روایت کے جس کے راوی ابوذر غفاری ہیں اور جس کے مطابق رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

اولوالعزم صاحبان شریعت پیغمبر

جیسا کہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے اللہ کے تمام پیغمبر شریعت نہیں لائے بلکہ ان میں سے فقط پانچ بزرگوار یعنی حضرت نوحؑ ،حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ ،حضرت عیسیٰؑ اور محمدؐ اولوالعزم اور صاحبان شریعت نبی ہیں اور باقی پیغمبران اولوالعزم پیغمبروں کی شریعت کے تابع رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔

"اے رسولؐ اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس پر چلنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اسی کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور اسی کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا۔" الخ (سورہ شوریٰ ۔ آیت ۱۳)

"جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوحؑ ، ابراہیمؑ ، موسیٰؑ اور عیسیٰ مریمؑ سے پختہ عہد لیا الخ (سورہ احزاب ۔ آیت ۷)

حضرت محمدؐ کی نبوت

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ ہیں جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہیں اور مسلمان ان پر ایمان لائے ہیں۔ آنحضرتؐ ہجری کیلنڈر کی ابتداء سے ۵۳ سال پیشتر حجاز کے شہر مکہ میں قریش کے خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہوئے جسے عربوں کے سب خاندانوں میں سے اشرف مانا جاتا تھا۔

حضرت محمدؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ آپ بچپن ہی میں اپنے والدین کے سائے سے محروم ہوگئے اور آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے سنبھالی لیکن وہ بھی جلد ہی وفات پا گئے۔ پھر آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ نے آپ کی سرپرستی اختیار کی اور آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ رسول اکرمؐ اپنے چچا کے گھر میں پلے بڑھے۔ وہ سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کے ساتھ قافلوں میں شامل ہوکر سفر پر جایا کرتے تھے۔

رسول اکرمؐ نے کسی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور لکھنا پڑھنا بھی نہیں سیکھا تھا تاہم پختہ عمر تک پہنچنے پر آپ اپنی ذہانت، تواضع اور دیانتداری کی وجہ سے مشہور ہوگئے۔ آپ کی عقلمندی اور دیانتداری کی بناپر قبیلہ قریش کی ایک ثروت مند خاتون حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنی جائیداد کا نگراں مقرر کیا اور اپنے تجارتی معاملات کی دیکھ بھال آپ کے سپرد کردی۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ ان خاتون کا مال تجارت لے کر دمشق گئے اور اپنی فراست کی بدولت کافی نفع کمایا۔ کچھ عرصے بعد ان خاتون نے آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔

شادی کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنی بیوی کی جائیداد کا انتظام سنبھال لیا اور آپ کی ذہانت اور دیانت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

حجاز کے عربوں میں بت پرستی کا رواج تھا لیکن رسول اکرمؐ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ اس کے برعکس آپ اکثر خلوت نشینی اختیار کرتے اور اس دوران اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور اس سے راز و نیاز کیا کرتے۔

مکہ کے قریب تہامہ کے علاقہ میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس میں غار حرا واقع ہے۔ رسول اکرمؐ اکثر اس غار میں خلوت نشینی اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کی عمر چالیس برس تھی اور آپ اس غار میں تشریف فرما تھے۔ اللہ نے آپ کو نبوت پر مبعوث فرمایا اور نئے دین کی تبلیغ پر مامور کیا۔ اس وقت قرآن مجید کا پہلا سورہ (علق) آپ پر نازل ہوا۔ آپ اسی دن گھر واپس تشریف لے آئے۔ راستے میں آپ کی ملاقات اپنے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔ حضرت علیؑ سارا ماجرا سننے کے بعد اسی وقت آپ پر ایمان لے آئے۔ جب آنحضرتؐ گھر میں داخل ہوئے اور اپنی بیوی کو سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی ایمان لے آئیں۔

جب رسول اکرمؐ نے پہلی دفعہ لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بڑے پریشان کن ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ مجبوراً آپ کو کچھ عرصے کے لئے درپردہ تبلیغ پر اکتفا کرنا پڑا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت حق دیں، تاہم یہ دعوت بھی بے نتیجہ رہی اور حضرت علیؑ کے علاوہ (جو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے) کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تاہم جو شواہد اہلبیت رسولؐ سے ہم تک پہنچے ہیں اور حضرت ابو طالب کے

جو اشعار دستیاب ہیں ان کے مطابق شیعیت کا اعتقاد ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن چونکہ آپ رسول اکرمؐ کے واحد سر پرست تھے اور قریش پر اپنا ظاہری تسلط قائم رکھنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اس امر کو صیغۂ راز میں رکھا۔ بعد ازاں اللہ کے حکم کے مطابق رسول اکرمؐ نے اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے جواب میں اہل مکہ نے بڑے تلخ ردعمل کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ کو اور آپ کے پیروؤں کو بے حد ایذائیں دیں۔ قریش کی زیادتیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ کچھ مسلمانوں نے اپنا گھر بار اور مال واسباب چھوڑ کر حبش میں پناہ لی۔ رسول اکرمؐ، آپ کے چچا حضرت ابو طالب اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد تین سال تک مکہ کے قریب ایک وادی میں، جسے شعب ابو طالب کہا جاتا ہے، محصور رہے۔ لوگوں نے ان سے ہر قسم کے روابط توڑ لیے تھے اور وہ اس وادی سے باہر آنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتے تھے۔

گو ابتداء میں مکہ کے بت پرستوں نے رسول اکرمؐ کو بہت پریشان کیا۔ جسمانی ایذا دی، توہین کی اور ان کا مذاق اڑایا لیکن بعض اوقات وہ آپ سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ بھی کرتے تھے تاکہ آپ کو اپنے مشن سے باز رکھ سکیں، تاہم ان کے وعدوں اور دھمکیوں کا اثر یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے دل میں تبلیغ اسلام کے لیے زیادہ پختگی آ گئی۔ ایک دفعہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور دولت اور حکومت کی پیش کش کی تو آپ نے استعارے کی زبان استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تب بھی میں اللہ کا حکم بجالانے اور دین حق کی تبلیغ کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

نبوت کے دسویں سال جب رسول اکرمؐ اور باقی بنی ہاشم شعب ابو طالب سے واپس مکہ آ گئے، آپ کے چچا حضرت ابو طالب جو آپ کے واحد سر پرست تھے، انتقال فرما گئے اور ان ہی دنوں میں آپ کی وفا شعار بیوی خدیجہ بھی فوت ہو گئیں۔ اب نہ تو آپ کی جان محفوظ تھی اور نہ ہی آپ کو کوئی جائے پناہ میسر تھی۔ بالآخر مکہ کے بت پرستوں نے آپ کو شہید

کردینے کا ایک خفیہ منصوبہ بنایا۔ ایک رات انہوں نے آپ کے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جونہی رات ختم ہو گھر میں داخل ہو جائیں اور بستر پر ہی آپ کا کام تمام کردیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن کے منصوبے سے آگاہ کردیا اور حکم دیا کہ آپ یثرب چلے جائیں۔ آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور رات کو ہی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دشمنوں کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے گھر سے روانہ ہوگئے۔ مکہ سے نکل کر آپ نے ایک غار میں پناہ لی۔ تین دن کے بعد جبکہ دشمن آپ کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے اور مایوس ہوکر اپنے گھروں کو لوٹ گئے، آپ غار سے نکلے اور یثرب کی راہ لی۔

یثرب کے لوگوں نے جن کے رؤسا پہلے ہی اسلام قبول کرکے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کو اپنی جانوں اور مال کا مالک ومختار بنادیا۔

یثرب میں آنحضرتؐ نے پہلی دفعہ ایک چھوٹا سا اسلامی معاشرہ قائم کیا اور شہر اور گردونواح میں رہنے والے یہودیوں اور علاقے کے کچھ طاقتور عرب قبیلوں سے معاہدے کیے۔ آپ نے پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی اور یثرب ''مدینۃ الرسول (رسولؐ کا شہر) کے نام سے مشہور ہوگیا۔

رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا۔ مسلمان جو مکہ میں کفار کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے یکے بعد دیگرے اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کرنے لگے اور آنحضرتؐ کے گرد جمع ہوگئے۔ یہ گروہ ''مہاجرین'' کہلایا جبکہ اہل مدینہ جنہوں نے رسول اکرمؐ اور مہاجرین کی مدد کی تھی ''انصار'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسلام بڑی تیزی سے ترقی کررہا تھا لیکن مشرکین قریش اور حجاز کے یہودی قبائل کا مسلمانوں پر ظلم وستم جاری تھا۔ وہ لوگ ان منافقوں کے ساتھ ملکر جو مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے اور کوئی مخصوص رتبہ نہیں رکھتے تھے ہر روز مسلمانوں پر ایک مصیبت وارد کرتے تھے

حتیٰ کہ نوبت جنگ تک آ پہنچی۔

مسلمانوں کو عرب مشرکین اور یہودیوں کے خلاف کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سے زیادہ تر لڑائیوں میں فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ چھوٹی بڑی ملا کر اسّی سے زیادہ لڑائیاں ہوئیں۔ تمام بڑی لڑائیوں مثلاً بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین میں آنحضرت ؐ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ علاوہ ازیں تمام بڑی لڑائیوں اور کئی چھوٹی لڑائیوں میں فتح حضرت علیؓ کی کوششوں سے نصیب ہوئی۔ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے کسی لڑائی سے منہ نہیں موڑا۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد دس سال تک مختلف لڑائیوں میں دو سو سے کم مسلمان اور ایک ہزار سے کم کفار قتل ہوئے۔

رسول اکرم ؐ کی سرگرمیوں اور مہاجرین وانصار کی بے لوث کوششوں کی بدولت اسلام سارے جزیرہ عرب میں پھیل گیا۔ علاوہ ازیں فارس، روم مصر اور حبش کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے خطوط بھی لکھے گئے۔ اس دوران میں آنحضرت ؐ نے فقیرانہ زندگی بسر کی جس پر آپ کو ناز تھا۔۱۸؎

آپ نے اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ آپ نے وقت کے تین حصے کر رکھے تھے جن میں سے ایک حصہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں گزارتے تھے۔ ایک حصہ اپنی ذات، اہل وعیال اور اپنے گھریلو معاملات کے لیے اور ایک حصہ عوام کے لئے وقف تھا۔ وقت کے اس تیسرے حصے میں آپ اسلام کی تبلیغ فرماتے اور اسلامی علوم کی تعلیم دیتے۔ اسلامی معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرتے اور اس کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کی حاجتیں پوری کرتے اور داخلی اور خارجی تعلقات مضبوط کرتے اور ایسے ہی دوسرے کام انجام دیتے۔

مدینہ میں دس سال قیام فرمانے کے بعد رسول اکرم ؐ کی طبیعت علیل ہوگئی اور چند دن بیمار رہنے کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق آپ

نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں غلاموں اور عورتوں سے نیک سلوک کرنے کی سفارش بھی فرمائی تھی۔

رسول اکرمؐ اور قرآن

دوسرے پیغمبروں کی طرح پیغمبر اسلامؐ سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ آپ معجزہ دکھائیں اور جیسا کہ قرآن مجید میں بالصراحت بتایا گیا ہے آنحضرتؐ نے بھی پیغمبروں کی معجزہ دکھانے کی صلاحیت کی تصدیق فرمائی۔ خود آپ کے کئی معجزے بیان کیے گئے ہیں جن میں سے کئی ایک کے بارے میں روایات قطعی اور قابل اعتماد ہیں۔ تاہم آپ کا زندۂ جاوید معجزہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ الہامی کتاب چھ ہزار اور چند سو آیات پر مشتمل ہے اور اسے ۱۱۴ چھوٹے اور بڑے سوروں میں تقسیم کیا گیا۔ قرآن مجید کی آیات کا نزول وقتاً فوقتاً آنحضرت کی رسالت کے ۲۳ برسوں میں ہوتا رہا۔ مختلف حالات میں یہ آیات ایک حصے سے لے کر پورے اور مکمل سورہ کی شکل میں نازل ہوئیں دن اور رات میں سفر اور حضر میں، جنگ اور صلح میں اور مشکل ایام اور آرام کے لحات میں نازل ہوتی رہیں۔

قرآن مجید کئی ایک آیات میں واضح الفاظ میں اپنا تعارف ایک معجزے کے طور پر کراتا ہے۔ اس نے اس زمانے کے عربوں کو دعوت دی کہ اس کے مقابلے پر اسی جیسا فصیح وبلیغ اور سچا کلام پیش کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانے میں عرب فصاحت وبلاغت کے معاملے میں اوج کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور زبان قرآن مجید کا کہنا کہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ انسانی کلام ہے اور خود رسولؐ کے دماغ کی پیداوار ہے یا انہوں نے کسی اور سے سیکھا ہے تو عربوں کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر اسکا مثل ۱۹؎ یا اس جیسے دس سورے ۲۰؎ یا کم از کم ایک سورہ ۲۱؎ تیار کرلینا کوئی مشکل کام نہیں ہونا چاہیے لیکن اس وقت کے مشہور فصحاء نے جواب میں کہا کہ قرآن مجید جادو ہے لہٰذا اس کا مثل تیار کرنا ان کے لئے ممکن نہیں۔ ۲۲؎

قرآن مجید لوگوں کو فقط اپنی فصاحت وبلاغت اور خوش الحانی کا مقابلہ کرنے کے لئے

عی نہیں کہتا بلکہ تمام انسانوں اور جنوں ؑ کو ملا کر اپنے معانی کا مقابلہ کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ؑ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مفصل ضابطۂ حیات میں انسان کے بے شمار اعتقادات، اخلاق اور اعمال کو سمو دیا اور ان کی تمام خصوصیات اور فضیلتوں کو مدنظر رکھا ہے اور انہیں 'حق' قرار دیتے ہوئے اس کا نام دین حق رکھا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد لوگوں کی اکثریت یا کسی ایک طاقتور حاکم کی خواہشات پر نہیں بلکہ سچائی اور بنی نوع انسان کی حقیقی بہبود پر رکھی گئی ہے۔

اس وسیع پروگرام کی بنیاد عظیم ترین سچائی پر رکھی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان ہے اور تمام اصول اور معارف اسی توحید سے اخذ کیے گئے ہیں اور پھر ان اصول ومعارف سے بہترین انسانی اخلاق اخذ کر کے انہیں اس ضابطے کا جزو بنا دیا گیا ہے اور اسکے بعد انسانی اعمال اور انفرادی اور اجتماعی حالات کی بے شمار تفاصیل کی تحقیق کر کے ان سے مربوط ذمہ داریاں ترتیب دی گئی ہیں جن کا سرچشمہ خدائے واحد کی پرستش ہے۔ دین اسلام میں اصول اور فروع کے مابین ایسا تعلق اور ربط ہے کہ ہر فرعی حکم خواہ اس کا تعلق کسی موضوع سے ہو، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو کلمۂ توحید کی جانب لوٹتا ہے اور کلمۂ توحید ان فرعی احکام کی بنیاد قرار پاتا ہے۔ بلاشبہ اس وحدت اور ربط وضبط کے حامل اتنے وسیع مذہب کے مطالب کو قطعی طور پر منظم کرنا تو کجا ان کی ابتدائی فہرست کی تیاری بھی عام حالات میں دنیا کے کسی ایک بہترین قانون داں کی قوت سے باہر ہے۔

لیکن یہاں ہم ایک ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہیں جس کی جان اور مال کو ایک مختصر وقت میں ہزاروں خطرات لاحق تھے۔ اسے کئی خونین جنگیں لڑنی پڑیں اور اندرونی اور بیرونی مزاحمت سے نمٹنا پڑا اور ساری دنیا کے سامنے وہ تن تنہا تھا۔ علاوہ ازیں رسول اکرمؐ نے پڑھنا لکھنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ اس سے پیشتر کہ انہیں نبوت پر مبعوث کیا گیا اور انہوں نے ایک جاہل

اورتہذیب سے عاری قوم کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا وہ اپنی عمر کا دوتہائی حصہ گذار چکے تھے۔ انہوں نے ایک بے آب وگیاہ اور تپتی ہواؤں کے خطے میں ان لوگوں کے درمیان زندگی گزاری جوتہذیب کے پست ترین درجے پر تھے اور ہمسایہ سیاسی طاقتوں کے زیر تسلط تھے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید لوگوں کو ایک اور طریقے سے بھی چیلنج دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ کتاب بالکل مختلف حالات میں اور تکلیف اور آرام، جنگ اور امن اور قوت اور کمزوری کے ادوار میں تئیس سال کے عرصے میں نازل ہوئی ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہونے کی بجائے انسانی دماغ کی پیداوار ہوتا تو اس میں بیشمار تناقص اور تضادات پائے جاتے اور جیسا کہ انسان کے ارتقا کا تقاضا ہے اس کا آخری حصہ لازمی طور پر اس کے ابتدائی حصے سے بہتر ہوتا۔ اسکے برعکس اس کتاب کی مکی اور مدنی آیات ایک جیسی ہیں اور اس کی ابتدا اسکے خاتمے سے مختلف نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے تمام حصے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور شروع سے آخر تک اس کا حیرت انگیز اسلوب بیان ایک جیسا ہے۔